کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جاسکتا ہے؟

(کیا کتاب، سنت، فقہ اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟)

(از جناب مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین)

(۲)

فقہا کے اصول احکام کی تعمیل میں جو تخفیفیں، رعائتیں اور وسعتیں قرآن و سنت میں دی گئی ہیں ان کے پیش نظر فقہا نے متعدد اصول وضع کر دیئے ہیں، تاکہ جن احکام میں بھی ان کی مماثلت پائی جائے۔ ان پر ان کا انطباق آسانی سے کیا جاسکے، مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ ان اصولوں کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسلامی احکام ہی پر خط نسخ پھیر دیا جائے یا متفقہ اسلامی احکام کو ان کا نشانہ بنایا جائے۔

ڈاکٹر محمصانی نے مجلۃ الاحکام سے تقریباً ان تمام اصولوں کو اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ جن سے اس سلسلہ میں فایدہ اٹھایا جاسکتا ہے مثلاً:-

۱- الضرورات تبیح المحذورات	ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔
۲- المشقۃ تجلب التیسیر	دشواری آسانی لاتی ہے۔
۳- الضرر یزال	تکلیف دور کی جانی چاہیئے۔
۴- الضرر یدفع بقدر الامکان	حتی المقدور تکلیف دور کی جائے گی۔
۵- الاصل فی الشئ الاباحۃ	ہر چیز میں اصلاً اباحت ہے۔

ان اصولوں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ضرورت، مصلحت اور دشواری کے وقت ان محرمات کو بھی حلال قرار دیا جاسکتا ہے جن کو کتاب و سنت میں حرام کیا گیا ہے۔ یا ان حلال چیزوں کو بھی حرام کیا جاسکتا ہے جو ان میں ہمیشہ کے لیے حلال کی گئی ہیں۔ بظاہر ان اصولوں سے اس نتیجہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے بہت سے لوگ اس دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ واقعی اسلام کے متفقہ احکام میں اجتہاد کے ذریعے ہمیشہ تبدیلی کی گئی ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں بھی اگر کیجائے تو

کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ان اصولوں کو جن فقہانے وضع کیا ہے انہوں نے اس سے نہ تو یہ نتیجہ کبھی نکالا تھا اور نہ ان کے ذہن میں کبھی یہ بات آئی تھی کہ وہ ان اجتہادی اصولوں کے ذریعہ کتاب وسنت کے کسی حکم کو منسوخ کر دیں، یا ان کی حرام و حلال کی مقرر کردہ قیدوں کو توڑ دیں، بلکہ انہوں نے ان کی جو تشریحات کی ہیں وہ اس کے بالکل برعکس ہیں جو ہمارے جدید فقہا کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی تشریحات کو یہاں پیش کر دیتے ہیں تاکہ ان پر غلط فہمیوں کے جو پردے ڈال دیئے گئے ہیں وہ ہٹ جائیں

مثلاً پہلی اصل یعنی الضرورات تبیح المحذورات کو لیجئے اس اصول کے تحت بعض ممنوعات کے جواز کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس وقت جب کہ کسی کی جان یا مال یا عزت و آبرو خطرے میں ہو، یہ اصل قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں مضطر کو حرام یا مردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ قید بھی لگا دی گئی ہے کہ غیر باغ ولا عاد یعنی نہ تو لذت کے لئے کھائے اور نہ ضرورت سے زیادہ، امام سرخسی نے امام محمد کی کتاب السیر الکبیر کی شرح میں اس اصول کو اس موقع کے لئے استعمال کیا ہے جہاں غیر معمولی نقصان کا خدشہ ہو۔

جو گھوڑے حکومت کی طرف سے مجاہدین کو جہاد کی غرض سے دیئے جاتے ہیں اور وہ ان ہی کی نگرانی میں رہتے ہیں، ان کو وہ اپنی ذاتی ضرورت یا خود گھوڑے ہی کی کسی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؛ اس سلسلہ میں امام محمد نے لکھا ہے کہ اپنی ذاتی ضرورت کے لئے تو وہ استعمال نہیں کر سکتے، البتہ اگر ان کو یہ معلوم ہو کہ گھوڑے کا چارہ اس بستی سے باہر ارزاں ملتا ہے تو اگر وہ مقام قریب ہو تو سوار ہو کر اس پر جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ مقام دور ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے البتہ جب قریب میں چارہ مل سکتا ہی نہ ہو تو وہ اس پر سوار ہو کر دور بھی جا سکتے ہیں۔

فلا باس بان یرکبہ الی ذلک الموضع لیحمل علیہ علفہ (ج ۴ ص ۲۷۹)	تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ سوار ہو کر اس مقام تک جائے اور اس کا چارہ لاد کر لائے۔

امام محمد نے سواری کی جو اجازت دی ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے امام سرخسی لکھتے ہیں۔

لان ھذا الموضع الضرورۃ و	یہ موقع ایک واقعی ضرورت کا ہے اور
الضرورات تبیح المحذورات	واقعی ضرورتوں میں ممنوع باتیں مباح ہو جاتی ہیں

مقصد یہ ہے کہ میدان جہاد کے علاوہ ان گھوڑوں پر سواری ممنوع ہے مگر اس ضرورت شدیدہ کی بنا پر جہاد کے علاوہ بھی سوار ہونے کی اجازت دی گئی ہے۔

غور کیجئے کہ اسلامی حکومت کے ایک گھوڑے کے استعمال میں اتنی قیود لگائی گئی ہیں۔ پھر ذاتی استعمال کے لیئے نہیں بلکہ خود اس گھوڑے ہی کے سامانِ بقا کے حاصل کرنے کے لیئے اور پھر اجازت دیتے ہوئے بھی یہ تنبیہ کر دی گئی ہے کہ یہ ضرورت حرام کو حلال تو نہیں کر سکتی لیکن مباح کر سکتی ہے اور وہ بھی اس وقت تک کے لیئے جب تک وہ ضرورت باقی ہے۔ ورنہ اصل حرمت اپنی جگہ پر علی حالہ باقی رہے گی اور ضرورت کے رفع ہوتے ہی وہ پھر لوٹ آئے گی۔

جو لوگ اس اصل کو اپنی خواہش نفس کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں ان کے بارے میں امام شاطبی لکھتے ہیں۔

"یہ لوگ اس اصل کی آڑ میں اپنی کسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں حالانکہ انسان کی جو واقعی ضرورتیں ہیں ان کا ذکر تو شریعت نے خود ہی کر دیا ہے"

انہوں نے اس کے بعد امام مازری کا جو مشہور مالکی عالم ہیں یہ فتوےٰ نقل کیا ہے کہ قحط کے زمانے میں کچھ غربائ نے صاحب ثروت لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ ہم کو اس وقت غلہ ادھار دے دیں۔ فصل کٹنے پر ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے۔ لیکن جب قیمت کی ادائیگی کا وقت آیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس غلہ ہے۔ اس لیئے غلہ کے بدلے غلہ ہی واپس کریں گے۔ چنانچہ قرضخواہوں نے اس خیال سے کہ کہیں ان کا غلہ مارا نہ جائے اسے قبول کر لیا۔ گو کہ اس میں ان کا نقصان تھا، کیونکہ قیمت اگر ملتی تو زیادہ ملتی اس لیئے کہ انہوں نے غلہ گرانی کے زمانہ میں فروخت کیا تھا۔ جب امام مازری سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ الضرورات

تبیح المحذورات کے تحت غلہ کی قیمت کے بدلے غلہ ہی لینا کیوں نہ مباح کر دیا جائے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا مقصود یہ ہے کہ مستقلاً اس کی اجازت دے دی جائے تو یہ ایک مفسدہ ہے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی، البتہ اگر اس کی ادائیگی کی کوئی دوسری صورت نہ ہو تو پھر مشتری سے غلہ لینے کی یہ صورت ہے کہ اس سے غلہ لے کر دو شاہدوں کی موجودگی میں فروخت کیا جائے اور اس سے جو قیمت ملے، اس سے بائع کی رقم ادا کر دی جائے اور جو بچ رہے وہ مشتری کو دے دی جائے۔

بظاہر اس میں غرباء کا فائدہ تھا کہ ان کو غلہ کے بدلہ غلہ ہی دینا پڑتا مگر امام مازری نے اس کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ یہ معاملہ ایک فریب کا معاملہ تھا کہ وعدہ تو قیمت کا کیا جائے اور دی جائے جنس۔ ظاہر ہے کہ جن معاملات میں دھوکہ اور فریب ہو ان کو اسلام میں مستقلاً مباح نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے مفاسد بھی تھے۔

غور فرمائیے کہ الضرورات تبیح المحذورات کا استعمال فقہا کس موقع کے لئے کرتے تھے اگر مطلقاً ہر ضرورت کے تحت ممنوعات کو مباح کرنے کے لئے یہ اصل بنائی گئی ہوتی تو پھر امام مازری کو اس کی اجازت ضرور دے دینی چاہیئے تھی۔

شیخ زین العابدین نے الاشباہ والنظائر میں ان واقعات پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ وہ الضرورات تبیح المحذورات اور الضرر یزال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اصول حدیث نبوی لاضرر ولا ضرار سے ماخوذ ہے[1]۔ اور ان سے فقہ کے بہت سے احکام مستنبط ہوتے ہیں مثلاً کوئی مال لے کر واپس کرنا چاہے، یا کسی چیز میں عیب نکل آئے تو ان دونوں صورتوں میں چونکہ مشتری کا نقصان ہے اس لئے اس کو مال واپس کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ پڑوسی کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے شفعہ کی اور ایک مضطر کو حرام کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی کے تحت جنگ میں جب دشمن کا غلبہ ہو رہا ہو تو اسلحے برباد کر دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ حالانکہ اسلام کسی چیز کو عام حالت میں برباد کر دینا جائز نہیں

[1] مصنف نے قرآن کی آیت کا ذکر نہیں کیا مگر اضطرار والی آیت اور قرآن کے اس ٹکڑے سے یہ دونوں اصول مستنبط ہیں۔ لا تظلمون ولا تظلمون۔

سمجھتا۔ لیکن چونکہ یہاں جان و مال کا خطرہ لاحق ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر یہ اجازت بھی مطلقاً نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ دی گئی ہے۔

ما ابیح للضرورۃ یتقدر — جو چیز کسی ضرورت کے تحت مباح کی
بقدرھا وما جاز لعذر — جائیگی وہ بس ضرورت ہی بھر مباح ہوگی
بطل بزوالہ (ص ۵۹) — جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز کی جائیگی

اس کا جواز عذر کے زائل ہونے کے بعد ختم ہو جائے گا۔

۲۔ المشقۃ تجلب التیسیر — دشواری آسانی لاتی ہے۔

اصول فقہ کا یہ دوسرا اصول ہے، جسے جدید مجتہدین اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب کسی اسلامی حکم میں کوئی مشقت، دشواری یا معاشی نقصان ہو تو اس اصول کے تحت اس کو منسوخ کر کے یا اس میں مناسب ترمیم کر کے اسانی پیدا کرنی چاہیئے۔ مثلاً سودی لین دین یا سودی تجارت اور سودی بینکنگ کو ترک کر دیا جائے تو پھر ملک میں معاشی بدحالی پھیل جائے گی۔ اور افراد و حکومت کا کروڑوں روپے کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اس دشواری اور اس نقصان کو رفع کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ملک کے معاشی کاروبار کو اسلام کے معاشی احکام کی قیود سے آزاد کیا جائے۔ یا ایک مرد جب بیک وقت متعدد عورتوں سے شادی کرتا ہے تو مرد کو خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو، عورت کو ضرور تکلیف و ذلت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو تکلیف و ذلت سے بچانے کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ اسلام کے قانونِ نکاح ہی میں ترمیم کر دی جائے لیکن اگر ہر مشقت و دشواری آسانی پیدا کرنے کا سبب ہو تو جیسا کہ امام شاطبی نے لکھا ہے کہ شریعت کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی مشقت فرد کے لئے یا اجتماع کے لئے موجود رہی ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام تکلیفات شرعیہ کو ساقط کر دیا جائے۔

پھر پیش آمدہ دشواری پر اس حیثیت سے غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جن دقتوں اور دشواریوں اور نقصانات کی بنا پر ایک حرام چیز کو حلال اور حلال چیز کو حرام کیا جا رہا ہے۔ وہ نزول قرآن کے وقت اور عہد نبوت ہی میں موجود تھیں یا نہیں۔ کیا جس وقت سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور آپ نے حجۃ الوداع میں یہ اعلان کیا کہ "جاہلیت کا سارا سود ساقط ہے۔" تو قریشی سا ہوکار یا

کا ہزاروں، لاکھوں روپے کا نقصان نہیں ہوا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے سب سے پہلے اپنے چچا کے سودی روپیوں کے بارے میں فرمایا کہ میں اس کو معاف کرتا ہوں کیا اس سے حضرت عباسؓ کا جن کا سودی کاروبار کافی پھیلا ہوا تھا۔ ہزاروں روپے کا نقصان نہیں ہوا ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ مکہ اور مکہ کے آس پاس کی بیشتر آبادی کے بیٹے قریش ہی کی تجارت اور سودی لین دین کے ذریعہ معاش کا سامان مہیا ہوتا تھا۔ مکہ میں قریش کی حیثیت اس وقت وہی تھی جو موجودہ دور میں کسی حکومت کی ہوتی ہے۔ مگر ان تمام نقصانات کو برداشت کر کے یہ حکم نافذ کیا گیا۔ لیکن ان نقصانات کے نتائج فائدے کی شکل میں رونما ہوئے۔ اس وقت اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن نے جس وقت چار شادیوں کی اجازت دی اور اس حکم کے ماتحت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کئی کئی شادیاں کیں تو کیا اس وقت عورتوں کو تکلیف و ذلت برداشت نہیں کرنا پڑی تھی۔ کیا اس وقت معاشرتی فساد کے رونما ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ مگر اس کی اصلاح کے لئے اسلامی شریعت نے خلع و طلاق کی اجازت تو دے دی لیکن اصل حکم کو منسوخ کرنے کا خیال پیدا نہیں ہوا۔ چار شادی کی اجازت بجائے خود ایک بہت بڑے معاشرتی فساد یعنی زنا اور دوسرے جنسی جرائم کو روکنے کے لئے دی گئی تھی اور اس اجازت کے بعد یہ فساد مٹا بھی۔ چنانچہ عرب میں جہاں فواحش و بدکاریاں علی الاعلان ہوتی تھیں اور ہر گھر معاشرتی فساد کا سرچشمہ تھا وہاں اسلام کی اس اجازت کے بعد تیس چالیس برس کے درمیان یعنی پورے عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں مشکل سے دو چار جنسی جرائم کے واقعات ہوئے۔ مگر اس دور میں جن ملکوں میں ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی ہے وہاں کے جنسی جرائم کی فہرست پر نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ وہاں کی معاشرت کتنی گندہ ہو چکی ہے۔ مغربی تمدن کی نقالی نے لوگوں کے سوچنے کے انداز کو کتنا بدل دیا ہے۔ کہ زنا اور محرکات زنا کے لئے تو کھلی آزادی ہو اور جو چیز ان کو ختم کرنے والی ہو اس پر پابندی عائد کی جائے۔

غرض یہ کہ عملی اور تجربی دونوں حیثیت سے بھی ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلامی احکام کی پابندی معاشرتی یا معاشی دشواری اور نقصان کا سبب ہے اور اگر کوئی دشواری یا نقصان ہو

بھی تو اسلامی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کا کوئی حکم بدل دیا جائے۔

جو لوگ المشقة تجلب التيسير سے تبدیلیٔ احکام پر استدلال کرتے ہیں یا تو ان کو اصول فقہ کے اس اصول کے ماله وما عليه کی خبر نہیں ہے یا خبر ہوتے ہوئے دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

اصول فقہ کا یہ اصول قرآن کی آیت يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر سے ماخوذ ہے اور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ آیت ازالۂ احکام کے لئے نہیں بلکہ اتباع احکام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ بالکل اسی طرح یہ اصول بھی احکام کی تبدیلی کے لئے نہیں بلکہ ان کے اتباع میں سہولت پیدا کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ شریعت میں انسان کی طبعی و تمدنی ضرورتوں کے پیش نظر جو سہولتیں دی گئی ہیں ان ہی سہولتوں کے اظہار کے لئے فقہا نے یہ اصول وضع کیا ہے چنانچہ فقہا نے کتاب و سنت کے تمام احکام کا تتبع کر کے لکھا ہے کہ سات اسباب کی بنا پر احکام کی بجا آوری میں سہولتیں دی گئی ہیں۔

(۱) سفر، یعنی سفر میں بعض احکام کی بجا آوری میں جو سہولت دی گئی ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لمبا سفر ہو۔ اس میں نماز قصر کرنے، جماعت ترک کرنے اور روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے، دوسری یہ کہ دو چار میل کا سفر ہو، اس میں قصر کی اجازت تو نہیں دی گئی ہے مگر جماعت چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے اب اگر کوئی دو چار میل کے تفریحی سفر میں بھی تکلیف محسوس کرے یا روزہ چھوڑ دے یا نماز قصر کرنے لگے یا اس کے لئے کوئی قانون وضع کرے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(۲) مرض، یعنی مرض کی حالت میں بھی بعض اسلامی احکام کو موخر کیا گیا ہے، اور بعض ممنوع چیز کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، وضو کے بجائے تیمم کرے اگر نجاست کے دور کرنے پر قادر نہ ہو تو نجاست ہی کی حالت میں نماز پڑھ لے۔ اسی طرح شرمگاہ کا کھولنا حرام ہے مگر ضرورت کے وقت طبیب کو دکھا سکتا ہے۔ سنکھیا کا کھانا حرام ہے مگر دواً اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اکراہ، یعنی کسی کو مجبور کر کے کوئی حرام کام کرا لیا جائے، لیکن ہر مجبوری شریعت میں معتبر

نہیں ہے بلکہ وہ مجبوری معتبر ہے ۔جس میں جان، مال یا عزت و آبرو کو خطرہ لاحق ہو، مثلاً اگر قتل کی دھمکی دے کر جھوٹ بلوا لیا جائے تو شریعت میں یہ فعل قابلِ ملامت نہیں ٹھہرے گا۔

(۴) نسیان۔یعنی بھول کر غلط کام کر بیٹھے۔ مثلاً روزہ میں بھول کر پانی پی لے ، کوئی دوسرے کی چیز غلطی سے اپنی سمجھ کر استعمال کر لے تو اس پر ملامت نہیں کی جائے گی۔لیکن نسیان کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں اس کو غلطی کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ مثلاً احرام کی حالت میں مردوں کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا حرام ہے۔اب اگر کوئی سلا ہوا کپڑا بھول کر پہن لے تو یہ جرم شمار کیا جائے گا اور اس کے بدلہ میں اس کو ایک قربانی کرنی پڑے گی۔

(۵) جہل۔یعنی آدمی جس بات کو نہ جانتا ہو اس میں جاننے تک رعایت کی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی جہالت دور کرنے کی کوشش بھی کر رہا ہو۔ مثلاً کسی کو نماز پڑھنا نہیں آتی نہ اس کو دعائیں یاد ہیں ورنہ ظاہری ارکان ادا کرنے کا سلیقہ رکھتا ہے۔مگر مسجد میں آکر نمازیوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور لوگوں سے پوچھ کر نماز کی دعائیں بھی یاد کرتا ہے۔ تو اس کو قانوناً نمازی ہی شمار کیا جائیگا اور اس کو نہ ملامت کی جائے گی اور نہ سزا دی جائے گی۔

(۶) عام ابتلاء یعنی وہ ناجائز چیزیں جن سے آدمی بالکل بچ ہی نہیں سکتا۔ مثلاً عموماً راستوں گلیوں اور سڑکوں وغیرہ پر جانوروں کے پاخانے پیشاب اور دوسری گندگیاں پڑ جاتی ہیں۔گو عام حالت میں گلیوں اور سڑکوں سے گذرتے وقت چھینٹیں وغیرہ نہیں پڑتیں۔مگر بارش کے زمانہ میں جو شخص بھی گذرے گا اس کے کپڑوں پر گندہ چھینٹیں ضرور پڑیں گی چونکہ یہ ایک عام ابتلا ہے جس سے بچنا انتہائی دشوار ہے اس لئے اگر کوئی شخص کپڑے پر ان چھینٹوں کی موجودگی میں بھی نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ البتہ اگر چوتھائی سے زیادہ اس کا کپڑا اس میں ڈوب گیا ہے تو اس کو کپڑا بدلنا ہو گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بازار میں سودا خریدنے کے لئے جاتا ہے اور اس کی نظر اچانک کسی غیر محرم عورت پر پڑ جاتی ہے۔ تو اس کی پہلی اچانک نظر معاف ہے کیونکہ اس میں وہ بالکل بے بس ہے، اس لئے اس کو ہم فاسق اور گنہ گار نہیں کہہ سکتے لیکن اگر وہ بلا ضرورت بازار جاتا ہے یا بار بار زنا بالعین کا ارتکاب کرتا ہے تو ہم اس کو فاسق کہیں گے اور اسلامی حکومت

ایسے شخص کو سزا دے گی۔

اسی طرح اسلام میں خرید و فروخت کا اصلی طریقہ تو یہ ہے کہ سودا بھی سامنے ہو اور قیمت بھی اسی وقت دے دی جائے۔ لیکن چونکہ ادھار خرید و فروخت ایک ناگزیر تمدنی ضرورت ہے اس لیئے اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(۷) نقص یعنی کسی شخص میں کوئی فطری یا طبعی کمی ہو جس کی وجہ سے وہ شرعی حکم کی تعمیل میں معذور ہو، تو اس صورت میں وہ شخص قابل عفو ہو گا۔ مثلاً پاگل، بچے، مجبور یا مسافروں اور عورتوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے کیونکہ فطری اور طبعی طور پر ان دونوں کے لیئے یہ پابندی مشقت طلب ہو گی۔

غرض یہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انسان کو جو طبعی یا تمدنی عوارض پیش آ جاتے ہیں، شریعت میں ان کی رعائتیں موجود ہیں المشقۃ تجلب التیسیر کا اصول ان ہی حالات کے لیئے ہے۔ شریعت میں جو آسانیاں اور تخفیفیں دی گئی ہیں، ان کے سلسلہ میں چند باتیں اور ملحوظ رکھنی چاہئیں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فقہا نے جو رعائتیں اور سہولتیں دی ہیں وہ خود ان کی وضع کردہ نہیں ہیں، بلکہ وہ سب کتاب و سنت کے اصولی احکام کے تحت دی گئی ہیں۔ فقہا نے صرف یہ کیا ہے کہ ان کے سامنے جو نئی صورتیں پیش آئیں انہوں نے کتاب وسنت کے اصولی احکام کے تحت ان کو ان پر قیاس کیا اس میں ان سے غلطیاں بھی ہوئیں مگر کوئی غلطی ایسی نہیں رہی کہ اس پر دوسرے فقیہ نے متنبہ نہ کر دیا ہو۔

(۲) دوسری بات یہ کہ جو آسانیاں اور تخفیفیں دی گئی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مشقت و دقت کی وجہ سے کسی حرام چیز کے استعمال کی اور کسی حلال چیز کے ترک کی مستقل صورت پیدا کی گئی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان ان صورتوں میں اگر عارضی طور پر کوئی شخص کسی حرام چیز کا ارتکاب کرلے یا کوئی حلال چیز ترک کر دے تو اتنی دیر تک جب تک کہ وہ عارض موجود ہے، اس کو گنہ گار، قابلِ ملامت اور سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ حرام اپنی جگہ پر حرام اور حلال اپنی جگہ پر حلال ہی باقی رہے گا۔

(۳) تیسری یہ کہ دقتیں اور مشقتیں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جن میں کوئی شرعی حکم موخر کیا جا سکتا ہے۔ یا ایک کے بجائے دوسری صورت اختیار کی جا سکتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

دوسری وہ مشقتیں اور دقتیں جن کو بہر صورت برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ مثلاً سردی کے زمانہ میں وضو کرنا، گرمی میں روزے رکھنا، حج کے لیئے سفر کی زحمت اٹھانا، روپے خرچ کرنا، جہاد کے لیئے صعوبت برداشت کرنا۔ جان و مال کو خطرے میں ڈالنا، حرام ذریعہ رزق کو چھوڑنا، قاتل سے قصاص لینا، زانی کو رجم کرنا۔ چور کا ہاتھ کاٹنا، باغیوں کی سرکوبی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کی بجا آوری میں اگر اس زمانہ میں کچھ لوگوں کو دقتیں محسوس ہوتی ہیں تو جس زمانہ میں یہ احکام نافذ کیئے گئے اس زمانہ میں بھی لوگوں نے دقتیں محسوس کی تھیں مگر جن دنیوی و اخروی فوائد کے پیش نظر ان احکام کو نافذ کیا گیا تھا۔ ان ہی فوائد کے پیش نظر آج بھی ان کو نافذ کیا جانا چاہیئے۔ اگر کسی کو اسلامی احکام میں مشقت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس دائرہ سے نکل تو سکتا ہے۔ مگر اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں رہتے ہوئے ہر اس اسلامی حکم میں ترمیم شروع کر دے جو اس کے خواہش نفس کے خلاف ہو اور جس میں اس کی آسان پسند طبیعت دشواری محسوس کرتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے المشقۃ تجلب التیسیر کو چند اور اصولوں سے مقید کر دیا ہے۔

المشقۃ والحرج انما یعتبر فی موضع لا نص فیہ واما مع النص بخلافہ فلا یعتبر	مشقت اور تنگی کا اعتبار وہاں کیا جائیگا جہاں کتاب و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو لیکن مشقت کے حرج کے تقاضے کے خلاف کتاب و سنت کا تقاضا ہو تو پھر اس مشقت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح عموم بلوی کے بارے میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ جو برائی بھی عام ہو جائے اور اس میں عام لوگ مبتلا ہو جائیں تو پھر وہ برائی برائی نہیں رہتی۔ اس غلط فہمی کو بھی فقہا نے دور کر دیا ہے امام صاحب کا یہ قول اصول فقہ کی کتابوں میں منقول ہے کہ

ولا اعتبار عندہ بالبلوی فی موضع النص — امام صاحب کے نزدیک جہاں نص موجود ہو وہاں عام ابتلا کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کتاب وسنت کی حرام کردہ کسی چیز کو عام طور پر حلال سمجھ لیا جائے یا ان کی حلال کردہ کسی بات کو حرام قرار دے دیا جائے اور عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں تو اس عام ابتلا کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ کتاب وسنت میں جو چیزیں حرام ہیں وہ حرام ہی رہیں گی۔ اور جو حلال ہیں وہ حلال ہی رہیں گی۔

(۳) الضرر یزال — کوئی تکلیف یا نقصان لاحق ہو تو اس کو زائل کیا جائے

مذکورہ دونوں اصولوں کی طرح یہ اصول بھی قرآن وحدیث کی ہدایات ہی سے ماخوذ ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی حکم شرعی کی انجام دہی میں غیر معمولی مالی یا جسمانی تکلیف یا نقصان واقع ہوتا ہو تو حتی الامکان اس کو نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے گی ایک بیمار شخص اگر وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس کے مرض میں شدت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کو تیمم کی اجازت دی گئی ہے، اگر ایک شخص ریل سے اتر کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے سامان کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے ایسی صورت میں اس کو ریل کے اندر ہی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ خواہ بیٹھ کر پڑھنا اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا پڑے۔

غرض یہ کہ فقہ کا یہ اصول اس حقیقت کے اظہار کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہیں۔ جس میں انسان کی فطرت کا پورا پورا لحاظ نہ کیا گیا ہو بلکہ یہ احکام اس خلاقِ فطرت نے دیئے ہیں جو انسان کی فطری کمزوریوں، اس کی تکلیفوں اور اس کے جسمانی وروحانی نقصانات سے پورے طور پر واقف ہے۔

وہ کسی بندے کو تکلیف ونقصان میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس سے بچاتا ہے لیکن اگر اس کے کسی حکم کی بجاآوری میں کوئی تکلیف ومشقت یا نقصان نظر آتا ہے تو اس تکلیف ومشقت اور نقصان ہی میں نہ جانے کتنے اجتماعی اور انفرادی فوائد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک شخص حج کا سفر کرتا ہے اس میں جسمانی تکلیف بھی اٹھاتا ہے اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ بھی لگاتا ہے مگر اس

جسمانی تکلیف کے اٹھانے اور اپنی دولت خرچ کرنے پر وہ اس لئے مجبور ہوتا ہے کہ اس میں بے شمار انفرادی و اجتماعی، مادی و روحانی فوائد مضمر ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، نماز اور جہاد وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔

اب جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شرعی حکم کی تعمیل میں ان کو کوئی تکلیف یا نقصان ہوتا ہے تو اس کو ساقط کر دینا چاہیئے تو اس سے اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی، اسی لئے فقہانے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ نہ تو نقصان کی تلافی دوسرے نقصان سے کی جاسکتی ہے۔ اور نہ ہر عمرو بکر کے نقصان کا لحاظ کیا جائے گا، بلکہ مخصوص افراد کے نقصان سے اگر عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، تو مخصوص افراد کو اس نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یتحمل الضرر الخاص لاجل	عام نقصان سے بچنے کے لئے خاص
دفع ضرر العام	نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یعنی اگر سودی کاروبار کے جاری رکھنے میں کچھ لوگوں کا نقصان واقع ہوتا ہے یا حکومت کو کچھ دقتیں پیش آتی ہیں تو اس نقصان کو دوسرے طریقہ سے پورا کرنا چاہیئے۔ اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس نقصان کی تلافی سودی کاروبار جاری کر کے کی جائے، کیونکہ سودی کاروبار کا جاری رہنا رہنے کے مقابلہ میں معاشرہ و حکومت دونوں کے لئے مادی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے زیادہ مضر اور نتیجہ کے اعتبار سے نقصان دہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی معاملہ میں چند افراد کا نقصان ہوتا ہو مگر اس نقصان سے عام معاشرہ کا فائدہ ہو تو اس خاص نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی محاذ جنگ پر کفار مسلمان بچوں کو بطور ڈھال استعمال کریں اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی گولیوں اور تیروں کا نشانہ مسلمان بچے بن رہے ہیں تب بھی ان کو نشانہ سے باز نہ آنا چاہیئے۔ گو اس سے ہر مسلمان کو تکلیف ہوگی مگر یہ تکلیف اس لئے برداشت کرنی پڑے گی کہ چند بچوں کا جانی نقصان پوری اسلامی فوج کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ضروری ہے، تو یہ ضرر خاص، ضرر عام سے بچنے کے لئے برداشت کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی شاہراہ عام پر کوئی ایسا مخدوش مکان ہو جس کے گر جانے کی صورت میں

لوگوں کے مالی یا جسمانی نقصان کا اندیشہ ہو تو اسلامی حکومت اس کو گرا سکتی ہے۔ حالانکہ اس کو کسی کی ملکیت پر دست اندازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن اس خاص نقصان کو اس لیئے برداشت کیا جائے گا۔ کہ اس سے عام نقصان اور تکلیف کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی معلم بچوں کے اخلاق کو بگاڑتا ہے، کوئی جاہل ڈاکٹر مریضوں کی جان سے کھیلتا ہے۔ چند تاجر سٹہ بازی اور ذخیرہ اندوزی کر کے ملک میں گرانی پیدا کرتے ہیں تو ان تمام اشخاص پر اسلامی حکومت یہ پابندی عائد کر سکتی ہے کہ وہ اپنے پیشے اور کاروبار سے باز آئیں۔

(۴) الاصل فی الشیئ الاباحۃ ہر چیز میں اصلاً اباحت ہے۔

فقہا کے اس اصول سے یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی ہو اس کے استعمال میں اباحت ہے، اس لیئے اگر حرام چیز کو اس کی اصل پر باقی رکھتے ہوئے مباح سمجھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے جدید فقہا نے اس اصول کے سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے۔

یہ اصول اصل میں اس حقیقت کے اظہار کے لیئے وضع کیا گیا ہے کہ دنیا کی تمام اشیا خالق کائنات نے انسان کے فائدے کے لیئے پیدا کی ہیں۔ اگر ان کو ان کے فطری حدود کے اندر استعمال کیا جائے تو کائنات کی ہر چیز مباح و مفید ہے۔ لیکن انسان خود ان کو بگاڑ کر اپنے لیئے مضر بنا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر انگور کو لیجیئے اس کے اندر خدا نے کتنی لذت و لطافت رکھی ہے۔ اس کے حلال و مباح ہونے میں کس کو شبہہ ہو سکتا ہے۔ مگر جب اس انگور کو انسان نے بگاڑ کر شراب بنا لی تو خدا نے اس کو حرام کر دیا۔ مگر اس شراب کی اصل یعنی انگور کے بارے میں شریعت نے یہ وضاحت کر دی کہ وہ اپنی جگہ پر اسی طرح مباح ہے، اس کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فرق جو کچھ آیا ہے اس کے نشہ آور ہو جانے کی وجہ سے۔

اسی طرح مٹی پوری انسانی آبادی کا مشترک سرمایہ ہے لیکن اگر کوئی احمق اس سے دانہ اگانے کے بجائے اسے کھانا شروع کر دے تو اسلام اس کے کھانے کو حرام قرار دے گا ایٹمک انرجی کی دریافت خدا کا ایک عطیہ ہے لیکن اگر اس کو پر امن طور پر استعمال کرنے کے

بجائے انسانیت کی ہلاکت کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ مباح چیز حرام ہو جائے گی۔

غرض یہ کہ حقیقت میں ہر چیز مباح ہے۔ انسان خود اپنے استعمال سے اسے حرام اور مضر بنا لیتا ہے۔

لیکن اگر کسی چیز کے اندر اباحت کے ساتھ حظر (ممنوع) کا پہلو بھی جمع ہو جائے تو پھر حظر کو ترجیح ہو گی۔ اور اباحت کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ ابوبکر جصاص نے اپنی اصول فقہ میں بار بار لکھا ہے کہ

اذا اجتمع سبب الحظر و	جب اباحت اور حظر (ممنوع) دونوں
الاباحة كان الحكم للحظر	کے اسباب جمع ہو جائیں تو حظر کو ترجیح
دون الاباحة۔	ہو گی اباحت کو نہیں۔

مذکورہ اصولوں کے ساتھ فقہا کے ان اصولوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

درء المفاسد اولی من	مفاسد کو دور کرنا فوائد کے سمیٹنے سے
جلب المصالح	زیادہ بہتر ہے۔
اذا اجتمع الحلال والحرام	جب حلال و حرام ہونے کے دونوں پہلو جمع
غلب الحرام	ہو جائیں تو حرام ہی پہلو کو اختیار کیا جائے گا۔

یعنی اگر ایک چیز کے استعمال میں فائدہ بھی ہو اور نقصان بھی تو فائدہ کو نظر انداز کر کے اس کے نقصان دہ، مفسد اور مضرت رساں پہلو کو سامنے رکھا جائے گا۔ اور اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ شراب جوا اور سود فوائد سے خالی نہیں ہیں مگر چونکہ ان میں فوائد کے مقابلہ میں مفاسد اور مضرتیں زیادہ ہیں اس لئے خدا نے ان کو حرام قرار دیا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے
قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ	ہیں، کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ	اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں مگر ان کا
نَّفْعِهِمَا (البقرہ)	گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی چیز کے حلال و حرام ہونے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو حرام ہی سمجھنا

چاہیئے کیونکہ حلال امر ہے اور حرام نہی اور شریعت میں امر کی تعمیل سے بڑا درجہ یہ ہے کہ جس چیز کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے اس سے رک جایا جائے صاحب الاشباہ لکھتے ہیں

لان اعتبار الشرع بالمنہیات   شریعت نے امورات کے مقابلہ میں منہیات

اشد من اعتنائہ بالمامورات   کا زیادہ لحاظ و اعتبار کیا ہے۔

اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہات تک سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ یہ حرام کے قریب کر دینے کا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایک بات سے روکا ہے اس سے رک جانا جن وانس کی عبادت سے زیادہ افضل ہے۔

حضرت عثمانؓ سے کسی نے پوچھا کہ دو ایسی لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں، فرمایا کہ ایک آیت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیت سے حلت مگر فالتحریم احب الینا۔ تحریم والی آیت ہمیں زیادہ پسند ہے۔

فقہا کے مذکورہ اصولوں کی ان ہی کی زبان سے جو مختصراً وضاحت کی گئی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ اصول ضرورت و مصلحت، وقت و تکلیف کے وقت حرام کو حلال اور حلال کو حرام یا ممنوع کو مباح اور مباح کو ممنوع قرار دینے کے لیئے وضع کئے گئے ہیں۔ (باقی)

تاریخ اسلام

مشہور مورخ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم کے قلم سے

جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے لے کر دسویں صدی ہجری تک کی مدلل اور مفصل تاریخ اس طرح بیان کر دی گئی ہے کہ مستشرقین کے پھیلائے ہوئے فتنوں کا خود بخود توڑ ہو جاتا ہے۔ اردو میں ایسی جامع اور مستند تاریخ اب تک نہیں لکھی گئی۔

مکمل تین حصص مجلد۔ کاغذ طباعت اعلٰے گردپوش دیدہ زیب سائز بڑا قیمت مکمل سیٹ -/۳۶ روپے

المکتبۃ السلفیۃ ۔ شیش محل روڈ ۔ لاہور